۸

ابتلاؤں کا سلسلہ ایمان کو تازہ رکھنے کیلئے نہایت ضروری ہے

(فرمودہ ۱۷- مارچ ۱۹۳۴ء بمقام مسجد احمدیہ لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے آج کا قیام لاہور میں محض اس غرض کیلئے کیا ہے کہ تا میں جمعہ کا خطبہ یہاں پڑھ سکوں- کیونکہ کئی دنوں سے میرے دل میں یہ خیال تھا کہ میں لاہور کے دوستوں کو بعض ایسے امور کے متعلق جو اِن دنوں ان کے سامنے ہیں بعض نصائح کروں- اور اس کی بہتر صورت مجھے یہی نظر آئی کہ میں ایک جمعہ لاہور میں پڑھاؤں اور اس طرح اپنے خیالات سے دوستوں کو آگاہ کردوں-

چند دنوں سے ہماری جماعت کی مخالفت دوسرے لوگوں میں بڑھ رہی ہے- اور وہ معاندت کی رَو جو پچھلے چند سالوں سے دبی ہوئی تھی پھر نئے سرے سے طاقت پکڑ کر ایک نئے رنگ میں دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً ظاہر ہونے لگی ہے- یہ ایک طبعی امر ہے کہ جب ایک انسان کے خلاف کوئی جدوجہد شروع کی جاتی ہے تو وہ اسے بُرا مناتا ہے- اور میں سمجھتا ہوں اس طبعی احساس سے ہماری جماعت بھی آزاد نہیں ہوسکتی- یہ قدرتی بات ہے کہ اِس مخالفت کی رَو کو دیکھ کر جو ہمارے خلاف جاری ہے، اس معاندانہ پروپیگنڈا کو دیکھ کر جو ہمارے خلاف کیا جارہا ہے اور اُن گالیوں کو سن کر جو ہمیں یا ہمارے بزرگوں کو دی جاتی ہیں، ہمارے دوستوں کے دلوں میں وہ حیوانیت جو انسان کے ساتھ ایک خاصۂ لازمہ کے طور پر لگی ہوئی ہے کچھ نہ کچھ جوش دکھائے اور ان کی طبیعت بھی گو اینٹ کا جواب پتھر سے

دینے کی طرف مائل نہ ہو مگر اینٹ کا جواب روڑے سے دینے کی طرف مائل ہو جائے۔ پس میں نے سمجھا میرا فرض ہے کہ اِس وقت لاہور جو مخالفت کا مرکز بن گیا ہے، یہاں کی جماعت کو اپنے خیالات سے آگاہ کردوں تا کہ وہ لوگ جو میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کی وجہ سے مجھے معلّم کا درجہ دے چکے ہیں، اپنے آئندہ طریقِ عمل کو میری ہدایات کے مطابق ڈھالیں۔

درحقیقت جماعت کی غرض یہ ہوا کرتی ہے کہ افراد اپنے اپنے طور پر کام نہ کریں بلکہ اجتماعی کام ایک فیصلہ کے ماتحت کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ ۱؎ یعنی امام ایک ڈھال کے طور پر ہوتا ہے اور جماعت کو اس کے پیچھے ہو کر لڑنا چاہیئے۔ وہ انسان ہرگز عقلمند نہیں کہلائے گا جو دشمن پر حملہ تو کردے لیکن ڈھال کو اپنے پیچھے کرلے۔ ایسے شخص کو ڈھال کا بوجھ اُٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ڈھال کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ حملہ آور کے حملہ کو روکا جائے۔ اور اگر یہ غرض پوری نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ ڈھال کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ وہ ایک زائد بوجھ ہوگا جو سپاہی کی چُستی کو کم کردے گا۔ جنگ کا اصول یہی ہے کہ جتنا ہلکا پھلکا سپاہی ہو، اُتنی ہی زیادہ عمدگی کے ساتھ وہ جنگ کرسکے گا۔ اور اگر وہ ڈھال سے فائدہ نہیں اُٹھاتا تو اُس کی ڈھال ایک زائد بوجھ شمار کی جائے گی۔ بعینہٖ اسی طرح امام بھی ایک بوجھ ہوتا ہے کیونکہ ہر انسان فطرتی آزادی محسوس کرتا ہے جسے وہ امام کی اِتباع کے ذریعہ قربان کردیتا ہے۔ پہلے وہ ہر کام اپنی مرضی سے کرلیا کرتا تھا مگر اَب اُسے بہت سے کاموں میں امام سے مشورہ لینا پڑتا ہے یا بہت سے کاموں میں اسے امام کے فیصلہ کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ پس یہ زائد بوجھ اگر ہمارے لئے مفید نہ ہو تو یقیناً نقصان دہ ہوگا۔ اور اگر ہم اس سے وہی فائدہ حاصل نہیں کرتے جو اس کا مقصد مقرر کیا گیا ہے تو اس بوجھ کے اُٹھانے کا دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جس طرح ڈھال کے متعلق کوئی شخص یہ پسند نہیں کرے گا کہ اسے اپنے پیچھے کرلے اور ایسا کرنے والے کو ہر انسان بیوقوف سمجھے گا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ یعنی اگر تم کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ تم اس کو آگے رکھو اور آپ پیچھے رہو۔ لیکن اگر تم خود آگے رہتے ہو اور اُسے پیچھے کرتے ہو، تو تم اُس بیوقوف کی طرح ہو جو ڈھال کو اپنے پیچھے کرتا اور پھر دشمن پر حملہ آور ہوتا ہے۔

آج کل بجائے ڈھالوں کے خندقوں کے ذریعہ جنگ کی جاتی ہے۔ جن کو انگریزی میں

ٹرنچز (TRENCHES) کہتے ہیں- کوئی انسان جو ٹرنچز کو چھوڑ کر جنگ کرے' اسے کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی- کیونکہ خندقیں اسی لئے کھودی جاتی ہیں کہ انسان ان کی حفاظت میں رہ کر دشمن سے لڑائی کرے- اسی طرح امام کی حفاظت کی ضرورت ہوا کرتی ہے- اور جو شخص اپنے امام کی آواز کے بغیر اور اُس کی حفاظت کے بتلائے ہوئے طریق کے علاوہ دشمن سے جنگ کرتا ہے' وہ کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتا- پس میں سمجھتا ہوں اِس اہم اور نازک موقع پر جو نہ صرف لاہور میں خطرناک صورت اختیار کررہا ہے بلکہ باہر بھی مختلف مقامات پر رونما ہورہا ہے' میرا فرض ہے کہ میں جماعت کو وہ ہدایات دوں جن سے اپنے آئندہ طریقِ عمل کو درست رکھ سکے- سب سے پہلے میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ فتنے اور ابتلاء کوئی نئی چیز نہیں ہیں بلکہ جب سے انسان پیدا کیا گیا ہے' جب سے خدا کا کلام نازل ہونا شروع ہوا اور جب سے خداتعالیٰ نے انسان کو اپنا قُرب عطا کرنے کا وعدہ کیا' اُسی وقت سے ابتلاؤں کا سلسلہ شروع ہے- اور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جتنا زیادہ کوئی شخص خداتعالیٰ کا پیارا ہوتا ہے' اُتنا ہی زیادہ وہ ابتلاء اور مصائب دیکھا کرتا ہے[۲] - اور قرآن شریف میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مت خیال کرو کہ تم ایمان لے آئے اور اب تمہیں ابتلاء میں نہیں ڈالا جائے گا بلکہ جب تک اللہ تعالیٰ ابتلاؤں کے ذریعہ تمہارے ایمان کی آزمائش نہ کرے' اُس وقت تک تمہیں ایمان کے مطابق ثمرات حاصل نہیں ہوں گے[۳] -

ان ابتلاؤں کے آنے کی غرض یہ ہوا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ اس کے بندے کے ایمان کی حقیقت کیا ہے- اور خداتعالیٰ کے سامنے بھی یہی ابتلاء اُس کی قوتِ ایمان کا ثبوت ہوں- یوں دنیا میں ہر شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں بڑا نیک ہوں اور دعویٰ کرتا ہے کہ میرا ہی طریقِ عمل درست ہے- تم ہندوؤں' عیسائیوں اور سکھوں میں سے کسی کے پاس چلے جاؤ' ان میں سے ہر ایک یہی کہتا سنائی دے گا کہ میرا مذہب ہی سچا ہے- مگر سوال یہ ہے کہ کیاکوئی ان میں سے ہے جواس دعویٰ کو اپنے عمل سے بھی ثابت کرتا ہو- اگر اس نقطہ نگاہ سے مذاہب کاموازنہ کیاجائے گاتو معلوم ہوگا کہ ایسا شخص صرف مومن اور پکّا مومن ہی ہوتاہے- کچھ سال ہوئے میں شملہ گیا' وہاں کی آریہ سماج کے سیکرٹری صاحب جو گریجویٹ تھے' مجھ سے ملنے کیلئے آئے اوران سے مذہبی گفتگو شروع ہوگئی- دورانِ گفتگو وہ

کہنے لگے کیا آپ بتاسکتے ہیں مرزا صاحب نے آپ کو وہ کیا چیز دی ہے جو مجھے حاصل نہیں۔ میں اس سوال کے اور بھی جواب دے سکتا تھا۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیوض و برکات کے ثبوت میں الہامِ الٰہی کا دروازہ کھُلنا بھی پیش کرسکتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اُن فضلوں کو پیش کرسکتا تھا جو آپ کی متابعت سے مجھ پر نازل ہوئے۔ مگر میں نے اُس وقت کی گفتگو کے مطابق کہا کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یقین بخشا ہے۔ ان کو یہ عجیب بات معلوم ہوئی اور انہوں نے کہا یقین! بھلا یہ کس مذہب والے کو حاصل نہیں؟ اوروں کا ذکر اگر جانے بھی دیا جائے تو کم ازکم مجھے یہ یقین ضرور حاصل ہے۔ اور اگر یقین ہی ایسی نعمت ہے جو آپ کو مرزا صاحب کی وجہ سے ملی تو آپ نے اسلام کو کیوں ترجیح دی؟ کیوں آپ آریہ سماج کو سچا مذہب نہیں سمجھتے جبکہ اس میں بھی انسان کو یقین حاصل ہوسکتا ہے۔ میں نے کہا اس لئے کہ یقین کا مفہوم جو آپ سمجھتے ہیں' وہ میں اِس وقت مراد نہیں لے رہا۔ جس قسم کا یقین آپ پیش کرتے ہیں وہ عیسائیوں کو بھی حاصل ہے۔ اور ان میں بھی اس یقین کی وجہ سے جانی' مالی اور وقتی قُربانی کرنے والے سینکڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

میں مان لیتا ہوں کہ وہ اِس یقین کی وجہ سے اپنی جانیں بھی عیسائیت کی راہ میں قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ میں مان لیتا ہوں کہ وہ اپنی عزت وناموس کو اپنے مذہب کی خاطر قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ میں مان لیتا ہوں کہ وہ اپنے بیوی' بچوں' عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ غرض میں مان لیتا ہوں کہ وہ جان ومال عزت وآبرو حتّٰی کہ اپنے بیوی بچوں کی قربانی کیلئے بھی تیار ہیں۔ مگر اِس قسم کی قربانی دوسرے فرقوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور آپ کو تو صرف دعویٰ ہے' عیسائیوں میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک پادری چین یا افریقہ میں مارا گیا تو اس کی قوم ڈری نہیں بلکہ اُس کی جگہ لینے کیلئے بیسیوں درخواستیں پہنچ گئیں۔ کلیسیا کی تاریخ میں اِس قسم کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ اور تاریخی واقعات سے ثابت ہے کہ بعض جگہ عیسائی مشنری مارے گئے' بعض جگہ ان کے گوشت کھائے گئے' مگر باوجود اِس کے وہ قوم ڈری نہیں۔ بلکہ ہزاروں مرد اور عورتیں اُسی وقت اپنی خدمات پیش کردیتے رہے۔ پس میں نے کہا کہ اگر یقین کے یہ معنے ہیں تو میں انہیں تسلیم نہیں کرتا۔ آپ اپنی قوم کیلئے اپنا سارا مال بھی قربان کرسکتے ہیں' اپنی جان بھی قربان کرسکتے ہیں بلکہ

اپنی بیوی اور بچوں کی جان بھی قربان کرسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں قومی ترقی کیلئے قربان کردی جایا کرتی ہیں۔ اور دنیا میں یہ تمام چیزیں لوگ قوم کیلئے قربان کرتے چلے آئے ہیں۔ مذہب کیلئے وہ قربانی ہونی چاہیئے جو اس سے زیادہ اہم ہو۔ بھلا کون سا وہ ملک ہے' جہاں کسی نہ کسی وقت لوگوں نے اپنی بیوی بچوں کو ملک کیلئے قربان نہیں کیا۔ کون سا وہ ملک ہے جس نے مالی قربانی نہیں کی۔ کون سا وہ ملک ہے جس نے جانی قربانیاں دنیا کے سامنے پیش نہیں کیں۔ ہر ایک نے کیں' کسی نے آج اور کسی نے کل۔ حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک لوگ یہ قربانیاں کرتے چلے آئے' کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اگر آج مصریوں میں قربانیاں نہیں تو کسی وقت ان میں بھی قربانیاں تھیں۔ یا اگر ہمیں نظر آتا ہے کہ ہندوستان اب ایسی قربانیاں پیش نہیں کرتا تو کسی وقت اس نے بھی پیش کی تھیں۔ غرض یہ سب قربانیاں ہوتی چلی آئی ہیں مگر ان کا مذہب کی سچائی سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی ان قربانیوں کو مذہب میں یقین کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہ ایک قومی تعصّب ہے۔ انہوں نے کہا تو پھر آپ کس قربانی کو یقین کے ثبوت میں اپنی طرف سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ قوم کی خاطر اپنے بیوی بچوں کو قتل کراسکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی روحانیت کو بھی تباہ کرسکتے ہیں۔ مگر ایک چیز ہے جسے کوئی سمجھدار قربان کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ اور مَیں اس کی مثال میں کہتا ہوں کہ مَیں قرآن ہاتھ میں لے کر یہ کہتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ یہ خداتعالیٰ کا کلام ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرا اسے خداتعالیٰ کا کلام سمجھنا نہ صرف دلائل اور شواہد وبیّنات پر مبنی ہے بلکہ مشاہدہ پر اِس کی بنیاد ہے۔ اور میں اِس یقین کی بناء پر کہتا ہوں کہ اے خدا! اگر یہ بات غلط ہے' اگر یہ تیری طرف سے نازل کردہ کلام نہیں' اگر تُو نے اسے دنیا کی راہنمائی کیلئے آخری شرعی کتاب کی صورت میں نازل نہیں فرمایا۔ اور اگر محمد ﷺ تیری طرف سے نہیں بلکہ ان کا دعویٰ ان کے نفس کا افتراء تھا' تو اے خدا! مجھ کو اور میرے بیوی بچوں اور اولاد کو ہمیشہ کیلئے اس دنیا اور آخری جہان میں ہر قسم کی نیکیوں سے محروم کردے۔ اگر آپ کو آریہ سماج کے سچا ہونے پر یقین ہے تو ایسی ہی دعا آپ بھی کریں۔ وہ کہنے لگے آپ میرے بیوی بچوں کا کیوں ذکر کرتے ہیں۔ میں نے کہا جب آپ کو اپنے مذہب کی صداقت پر کامل یقین ہے تو اِن کا ذکر کرنے سے آپ کا کیا نقصان۔ وُہ کہنے لگے یہ بہت بُری بات ہے کہ

انسان ہمیشہ کیلئے اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے متعلق یہ دعا کرے کہ وُہ ہر قسم کی بھلائیوں سے محروم ہوجائیں۔ میں نے کہا میں آپ کو بتاچکا ہوں کہ انسان دنیا کیلئے اپنے بیوی بچوں کی جان قربان کرسکتا ہے مگر جس چیز کو وہ قربان نہیں کرسکتا وہ یہ ہے کہ انہیں ہمیشہ کیلئے نقصان اور تباہی کے گڑھے میں گرادیا جائے۔ وہ بعض دفعہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اگر میں ہلاک ہوگیا تو کیا۔ بعض دفعہ یہ خیال کرلیتا ہے کہ اگر میری اولاد نہ رہی تو اس میں کیا حرج ہے۔ مگر وہ اپنی نسل پر ابدی لعنت ڈالنے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ وہ وقتی طور پر جانی اور مالی قربانی کرسکتا ہے اور عارضی طور پر اپنے آپ کو یا اپنی نسل کو مصائب و مشکلات کا نشانہ بنا سکتا ہے مگر وہ ہمیشہ کیلئے نیکی کا بیج مٹانے کیلئے تیار نہیں ہوتا اور نہ کوئی سمجھدار انسان تیار ہوسکتا ہے۔

غرض میں جتنا زیادہ ان پر زور دوں' اتنا ہی وہ انکار کرتے چلے جائیں اور آخر بالکل لاجواب ہوگئے۔ پس یقین ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو ہر ایک قربانی پر آمادہ کردیتی ہے۔ اور یقین ہی ہے جس کا ابتلاؤں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اظہار کرنا چاہتا ہے اور دکھانا چاہتا ہے کہ واقعی میرے مومن بندے اپنی صداقت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ ورنہ کون سی وہ قوم ہے جو یہ خیال نہیں کرتی کہ وہ سچائی پر قائم ہے۔ کیا کوئی ہندو اس لئے ہندو مذہب پر قائم ہوتا ہے کہ اسے اس کی صداقت پر شُبہ ہوتا ہے' ہرگز نہیں۔ اکثر ہندو خیال کرتے ہیں کہ ان کا مذہب سچا ہے یا کیا کوئی عیسائی عیسائیت پر اس لئے قائم ہوتا ہے کہ وہ اسے جھوٹا سمجھتا ہے ہرگز نہیں۔ اکثر عیسائی خیال کرتے ہیں کہ عیسائیت ہی سچائی کی حقیقی راہ ہے۔ یہی حال سکھوں کا ہے' یہی حال دوسری اقوام کا ہے۔ جس طرح مسلمانوں کو یقین ہے کہ ان کا مذہب سچا ہے اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کو بھی یقین ہے اور اسی طرح دوسری اقوام کو بھی یقین ہے۔ اور اسی سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ شریر دنیا میں کم ہیں۔ اور شریف زیادہ' اگر دنیا میں شریفوں کی کثرت نہ ہوتی تو انسانی پیدائش کی غرض باطل ہوجاتی۔ تم اگر ایک ڈاکو کے اعمال کو دیکھو گے تو ان میں بھی نیکی کا عنصر غالب دکھائی دے گا۔ لوگ بعض دفعہ کسی کو جھوٹا کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ گِننے لگیں کہ یہ جھوٹ کتنی دفعہ بولتا ہے اور سچ کتنی دفعہ' تو اس کے جھوٹ بہت کم ہوں گے اور سچ بہت زیادہ۔ ہم اگر ایسے شخص کو بُرا کہتے ہیں تو اس کے عیب دار ہونے کی وجہ سے' نہ اس وجہ سے کہ وہ کُلِّیَۃً نیکیوں سے محروم ہوچکا ہے۔ ایک ریشمی کُرتا میں چھوٹا سا سوراخ ہوجائے تو تمام کُرتا عیب دار ہوجائے گا حالانکہ وہ سوراخ پیسہ

کے برابر ہوگا- اسی طرح ہم جھوٹے کو جھوٹا اس کے فعل کی شناخت کی وجہ سے کہتے ہیں' نہ اس وجہ سے کہ وہ کبھی سچ بولتا ہی نہیں یا بہت کم سچ بولتا ہے-

اسی طرح بعض دفعہ کسی کو کذاب کہا جاتا ہے' تو اس کی وجہ بھی یہ ہوتی ہے کہ اس نے کوئی بڑا جھوٹ بولا ہوتا ہے- ورنہ کوئی انسان آج تک ایسا نہیں گزرا جس کے جھوٹ اس کے سچ سے زیادہ ہوں- حضرت آدمؑ سے لے کر اِس وقت تک جس قدر بھی جھوٹ بولنے والے ہوئے ہیں' ان تمام کے جھوٹ کم ہیں اور سچ زیادہ- یہی حال چوری وغیرہ دوسرے عیوب کا ہے- اگر انسان کی بدیاں اس کی نیکیوں سے بڑھ جاتی ہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مٹادیتا اور دنیا میں قیامت آجاتی- قرآن مجید صاف طور پر فرماتا ہے- اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ؎ جو چیز فائدہ رساں ہوتی ہے اسے ہی دنیا میں قائم رکھا جاتا ہے- اگر انسان نفع رساں نہ ہوتے اور اگر ان کی بدیاں نیکیوں سے زیادہ ہوجاتیں تو انہیں ہرگز دنیا میں نہ رکھا جاتا بلکہ تباہ کردیا جاتا- غرض اللہ تعالیٰ نے یقین کے اظہار کیلئے دنیا کو پیدا کیا ہے- مگر اس خالی دعویٰ میں تمام مذاہب شریک ہیں اور سب لوگ نیک نیتی سے اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہیں- ان حالات میں کس طرح ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سچا اور جھوٹا یقین کرنے والوں میں فرق نہ کرے- اور بتائے نہیں کہ کس کا یقین سچا ہے اور کس کا جھوٹا- اسی کے اظہار کیلئے حقیقی اور غیر حقیقی یقین کرنے والوں میں فرق کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ایسے ابتلاؤں میں سے گزارتا ہے جن میں اس کا ایمان چمک اُٹھتا ہے- اور دنیا پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ ابتلاؤں کی بھٹی ان کے ایمانوں کو اور زیادہ جِلا دے دیتی ہے- جب ابتلاء آتے ہیں' مصائب کی آندھیاں اُٹھتی ہیں' حوادث کے پہاڑ گرتے ہیں' اُس وقت ایمان رکھنے والوں کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہوجاتے اور ان کے ایمان از سرِنَو تازہ ہوجاتے ہیں- مگر دوسرے شخص گھبراجاتے ہیں' وہ پریشان ہوجاتے ہیں- اور ان کی پریشان خاطری ظاہر کردیتی ہے کہ حقیقی استقامت ان کے دلوں میں موجود نہیں- پس ایمان تازہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ابتلاؤں کا سلسلہ جاری رہے- اور جو شخص ان ابتلاؤں سے گھبراتا ہے وہ دنیا پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا اسے حقیقی ایمان نصیب نہیں-

پس یہ پہلا گُر ہے جسے ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے- دوسرا امر جس کی طرف میں اپنی جماعت کے دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنی جماعت اور

سلسلہ کو دوسروں کے ہاتھوں قائم نہیں کیا کرتا بلکہ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے اسے بڑھاتا اور اپنے ہاتھ سے ہی اسے ترقی کی انتہائی منازل تک پہنچاتا ہے- یہ بات اللہ تعالیٰ کی غیرت اور اس کی شان کے خلاف ہے کہ وہ الٰہی سلسلہ کو دوسروں کے ہاتھ سے قائم کرے- جب بھی کوئی خدا کی جماعت دنیا میں قائم ہوئی ہمیشہ خدا کے ہاتھ سے قائم ہوئی- اور گو جُزوی طور پر دوسرے لوگ بھی شریک ہوجاتے ہیں مگر حقیقی امداد اور نصرت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے- یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام حکومتوں سے آزاد جگہ پیدا کیا- اگر رسول کریم ﷺ کسی منظّم حکومت کے ماتحت ہوتے تو چاہے وہ حکومت دشمن بھی ہوتی' پھر بھی دشمن کی حکومت ایک رنگ حفاظت کا اپنی رعایا کو ضرور دیتی ہے- مثلاً یہی کہ ایسی حکومت میں بھی ہر شخص ایذاء پہنچانے کا مجاز نہیں ہوسکتا- بلکہ اگر حکومت دشمن ہو تو وہ یہی چاہے گی کہ میں خود سزا دوں' یہ نہیں کہ خالد بکر جو اُٹھے فساد برپا کرنا شروع کردے- اِس طرح حکومت کی تنظیم میں فرق پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کی اجازت نہیں دے سکتی- مثلاً افغانستان میں ہی ہمارے بعض احمدی بھائی سنگسار کئے گئے مگر حکومت نے یہ فعل خود کیا دوسروں نے نہیں- پس باجود اس کے کہ اُس وقت کی حکومت افغانستان کا فعل نہایت ہی ظالمانہ اور عدل وانصاف کے خلاف تھا' پھر بھی اس نے اس حد تک کیا کہ ظلم بھی اپنے ہاتھ سے کیا دوسروں کے ذریعہ نہیں- لیکن رسول کریم ﷺ کو جو آخری ہدایت نامہ دے کر بھیجا گیا' اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ کامل طور پر اسی کی تائیدونصرت سے پھیلے' انسانی ہاتھ کا اس میں دخل نہ ہو- تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسے ملک میں پیدا کیا جس میں کوئی بھی حکومت نہ تھی- اس میں شُبہ نہیں کہ عرب کے لوگ آپس میں بعض موقعوں پر مشورہ کرلیا کرتے تھے مگر کوئی ایسا قانون نہ تھا جس میں افراد' افراد کو نقصان پہنچاسکتے ہوں- بیشک ان میں یہ قانون تھا کہ لڑائی سے پہلے فلاں شخص کے پاس روپیہ جمع کرادیا جائے یا مثلاً یہ قانون تھا کہ جھنڈا فلاں شخص اُٹھائے مگر ایسا کوئی قانون نہ تھا کہ اگر کوئی کسی کو قتل کرنا چاہے تو وہ نہ کرسکے- پس گو ان میں تنظیم کا ایک رنگ تھا مگر افراد کی آزادی پر حدبندی کیلئے نہیں بلکہ اپنے شہر یا قبائل کی حفاظت کیلئے- ایسے ملک میں رسول کریم ﷺ کے دعویٰ نبوت کرنے کے یہ معنے تھے کہ آپ کی جان کی اُس وقت کوئی بھی قیمت نہ تھی- اور اگر کوئی شخص نقصان پہنچانا چاہتا تو اُسے اُس کے ارادہ سے کوئی شخص نہ روک سکتا تھا- لیکن اللہ تعالیٰ بتلانا

چاہتا تھا کہ مجھے اپنے دین کی اشاعت کیلئے کسی انسانی مدد کی ضرورت نہیں۔ اور چونکہ رسول کریم ﷺ افضل الانبیاء اور سیدالرسل ہیں اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے زمانہ میں ایسے حالات پیدا ہوتے جو باقی انبیاء کے حالات زمانہ سے ممتاز ہوتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ باقی انبیاء کو بھی ابتلاؤں سے گزرنا پڑا۔ یہ ٹھیک ہے مگر ان کے زمانہ کے ابتلاء اس حد تک نہیں پہنچے جس حد تک رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ابتلاء تھے۔

میرا منشاء اِس سے یہ ہے کہ جب خداتعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ خالص اپنی نصرت اور تائید سے اپنا سلسلہ دنیا میں پھیلائے اور یہ کہ انسانی کوششوں کا اس میں کوئی دخل نہ ہو تو اِس وقت ہمارا یہ کہنا کہ موجودہ مشکلات کے موقع پر کوئی حکومت یا انجمن ہماری مدد کرے اللہ تعالیٰ کی اس قدیم سنت کے خلاف ہوگا۔ خداتعالیٰ نے بیشک ایک منظم گورنمنٹ سے ہمارا واسطہ رکھا ہے اس لئے کہ تلوار ہمارے پاس نہیں مگر حکومت سے امداد طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بدظنی ہے اگر واقعی یہ سلسلہ خداتعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر واقعۃً میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے تو نہ لوگوں کے آرام دینے سے ہمیں سہولت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ گورنمنٹ کا ساتھ دینے سے ہماری مشکلات میں کمی واقعہ ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اس کے انبیاء کی جماعتیں تلواروں کے سایہ تلے پلا کرتی ہیں۔ ان کیلئے پھولوں کی سیج نہیں بچھائی جاتی بلکہ کانٹوں کے بستر بچھائے جاتے ہیں۔ وہ دن اور رات ابتلاء دیکھتے ہیں۔ صبح اور شام مصائب اپنے سروں پر منڈلاتے دیکھتے ہیں مگر وہ ڈرتے نہیں۔ ان کے ایمان کمزور نہیں ہوتے بلکہ وہ خوش ہوتے اور سمجھتے ہیں کہ ترقی اور سلسلہ کی اشاعت کے سامان ہورہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔

"اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا۔ تو مجھ سے الگ ہوجائے۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُرخار بادیہ درپیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اُٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جُدا نہیں ہوسکتے نہ مصیبت سے، نہ لوگوں کے سبّ وشتم سے، نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے

ہیں کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے اور ان کا پچھلا حال اُن کے
پہلے سے بدتر ہوگا"۔ ۵

لیکن اگر ہم یہ امید کریں کہ ہمارے راستہ میں ابتلاء آئیں اور گورنمنٹ انہیں ہٹاتی جائے یا ابتلاء آئیں اور پبلک انہیں دور کرتی چلی جائے' تو دراصل وہ چیز جس کو خداتعالیٰ نے ایمان کے اظہار کیلئے پیدا کیا ہے ہم اسے مٹاتے اور اپنے ایمانوں کو مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔ پس میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اِس زمانہ میں مخالفوں کی طرف سے جو شور برپا ہے اور جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ آخری شور ہے اس شور کو بڑھنے دو بڑھنے دو اور بڑھنے دو' یہاں تک کہ وہ ایک طوفان کی صورت اختیار کرلے تا ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ پھر بعد میں کہہ دیں کہ ہم نے ابھی احمدیت کو مٹانے میں پورا زور صرف نہیں کیا۔ ہم تو خداتعالیٰ کی جماعت ہیں۔ مجھے ایک انگریز مبصّر کی وہ بات بہت پسند آتی ہے جو اس نے ایک موقع پر جبکہ جنگی قرضوں کا مسئلہ زیرِبحث تھا' کہی تھی۔ اُس وقت بعض انگریزوں کی تجویز تھی کہ قرضہ کو اس طرح تقسیم کردیا جائے کہ اِس وقت سے چالیس پچاس سال کے بعد اس کی ادائیگی کا موقع آئے۔ اُس وقت اُس انگریز مبصّر نے کہا یہ بڑی بیوقوفی ہوگی کہ ہم اپنے بوجھ اپنی نسلوں پر ڈال دیں۔ اگر اس بوجھ کو دُور کرنا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے دور کردیں۔ اسی طرح میں کہتا ہوں اِس وقت اگر ہم اس غلطی کا ارتکاب کریں کہ گورنمنٹ سے کہیں کہ وہ اس مخالفت کو روکے یا پبلک سے اپیل کریں کہ وہ اس شور کو بند کرائے تو اس غلطی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہماری آئندہ نسلوں کے سامنے مخالفوں سے کہا جائے گا کہ احمدیت کیوں نہ پھیلتی' اس میں خدا کی تائید کا دخل نہیں' احمدی ایک منظّم گورنمنٹ کے ماتحت رہتے تھے اور اگر کوئی ظلم کرتا تو گورنمنٹ اپنے زور سے اسے روک دیتی تھی۔ پس ان پر کوئی ظلم کرہی نہیں سکتا تھا' اِسی وجہ سے وہ پھیل گئے۔ اور یہ وہ سوال ہوگا جس کا جواب دینا ہماری نسلوں کیلئے نہایت ہی مشکل ہوجائے گا۔

پس مشکلات کا دلیری سے مقابلہ کرو' نہ تم گورنمنٹ سے درخواست کرو کہ وہ تمہاری مدد کرے اور نہ تم پبلک سے اپیل کرو کہ وہ اِس فتنہ کو روکے۔ تمہاری اپیل صرف ایک ہی ذات کے سامنے ہونی چاہئے اور وہ تمہارا خدا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ ہم زندہ خدا کی جماعت ہیں اور یقیناً سچ ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس نے اپنی طرف سے

دنیا کی اصلاح کیلئے مبعوث کیا اور یہ یقیناً سچ ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ ہم نے اس مامور کو جو اس نے بھیجا صدقِ دل سے تسلیم کیا اور یہ یقیناً سچ ہے، تو پھر یقیناً یہ بھی سچ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم، دنیا کی کوئی طاقت اور دنیا کی کوئی حکومت ہمیں مٹا نہیں سکتی۔ ہم رسول کریم ﷺ سے وابستگی کی وجہ سے اور ان بشارات کی وجہ سے جو پہلی کتب میں آپ کے متعلق ہیں، وہ کونے کا پتھر ہیں کہ جو ہم پر گرے گا وہ چکناچُور ہوجائے گا اور جس پر ہم گریں گے اسے بھی پیس کر رکھ دیں گے۔ پس یہ خیال کرنا کہ دنیا کی مخالفتیں، دنیا کی شرارتیں اور دنیا کی عداوتیں ہمارا کسی قسم کا نقصان کرسکیں گی، بالکل غلط ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی گود میں ہیں اور جو خدا کی گود میں ہو، اسے کوئی ہلاک نہیں کرسکتا۔ ہم پر ابتلاء آتے ہیں تو آنے دو۔ یہ ویسے ہی ابتلاء ہیں جیسے بچہ جب اپنی ماں کی گود میں ہوتا ہے تو بعض دفعہ وہ اس کی صحت کی خاطر اسے دودھ پلانا بند کردیتی ہے۔ وہ اپنے بچے کی دشمن نہیں ہوتی بلکہ اس کی صحت کی محافظ ہوتی ہے۔ اِسی طرح اگر خدا تعالیٰ بھی بعض اوقات ہمیں مصائب میں ڈالتا ہے تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہماری اصلاح ہوجائے۔ اور پیش آمدہ ابتلاؤں سے بچنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نہ اپنی اصلاح چاہتے ہیں اور نہ ان کے نتیجہ میں جو اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہوا کرتے ہیں، وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

پس میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ آپ لوگوں کو بتاؤں کہ ان خیالات کو جانے دو کہ حکومت سے امداد کی درخواست کی جائے یا پبلک سے کسی قسم کی اپیل کی جائے۔ اِس وقت ہمارا کوئی دوست نہیں، نہ حکومت دوست ہے نہ پبلک ہماری دوست ہے۔ عیسائی ہمارے کس طرح دوست ہوسکتے ہیں جبکہ ہم عیسائیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ ہندو اور سکھ کس طرح دوست ہوسکتے ہیں جبکہ ہم ان کے عقائد کو بھی غلط ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح کوئی سیاست ہماری کس طرح دوست ہوسکتی ہے جبکہ ہم سب سے بڑی سیاست ہیں۔ اور جو تنظیم ہماری جماعت کے اندر ہے وہ اور کسی جماعت میں نہیں پائی جاتی۔ پھر پبلک بھی ہماری دوست نہیں ہوسکتی کیونکہ کونسا وہ فرقہ ہے جسے ہم فتح کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہی حال دوسرے مذاہب والوں کا ہے۔ پس کوئی جماعت نہیں جو ہمارے ساتھ دوستی رکھتی ہو اور نہ کوئی جماعت ہمارے ساتھ حقیقی محبت کرتی ہے۔ ہمارے تعاون کی وجہ سے اگر حکومت ہمارے ساتھ تعاون کرتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکومت سے ہمارا کُلّی طور پر تعاون ہوسکتا

ہے۔ اس لئے کہ اگر بعض دفعہ اتفاق ہو سکتا ہے تو بعض دفعہ اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ پس گورنمنٹ کی مدد یا پبلک کی توجہ پر انحصار رکھنا شرک ہے۔ تمہارا توکّل محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیئے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۶؎ ۔ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ اے خدا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہوگا کہ ہم خدا کی بجائے گورنمنٹ اور پبلک کی مدد کے خواہشمند ہوں گے۔ اور یہ شرک ہے۔ ہمیں اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہیئے کہ ہم سب کے خیرخواہ ہیں۔ لیکن ہماری خیرخواہی کے باوجود اگر وہ مخالفت پر اُترتے ہیں تو ہمیں اس کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم خیرخواہی کریں اور اس خیرخواہی کا تقاضا ہے کہ جہاں کوئی معیوب بات دیکھیں' اس کے خلاف آواز بلند کریں اور یہی معقول پسند انسان کا طریق ہوا کرتا ہے۔

پس ہم خدا کو چھوڑ کر نہ کسی کے دوست ہوئے نہ ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں۔ ہم اصول کے پابند ہیں اور سچائی کے حامی۔ مسلمان بعض دفعہ اعتراض کردیا کرتے ہیں کہ تم تو ہمارے مفادِ مشترکہ میں ہمارے ساتھ ہو پھر فلاں بات میں کیوں اختلاف کرتے ہو۔ ہم کہہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے مگر ہماری خیرخواہی کا تقاضا یہی ہے کہ اس امر میں خلاف ہوں۔ یا مثلاً کشمیر کی تحریک ہی جب شروع ہوئی تو گورنمنٹ نے کہہ دیا کہ لوجی ہم تو احمدیوں کو بڑا اچھا سمجھتے تھے مگر یہ تو ایسے نکلے۔ ہم نے ان کی باتوں کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ مومن کا کام ہے کہ وہ سچائی کا حامی ہو یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام حق بھی ہے۔ اور اِسی بناء پر لوگ اپنے بچوں کا نام عبدالحق رکھ لیا کرتے ہیں۔ پس گورنمنٹ ہو یا پبلک' اپنے ہوں یا پرائے' ہم سب سے معاملہ کرنے میں ہمیشہ سچائی کے پابند رہتے ہیں۔ کشمیر کے معاملہ میں ہی ایک جگہ کشمیر کے علاقہ میں ہندوؤں پر مسلمانوں نے زیادتی کی' ہم نے اس موقع پر ہندوؤں کی تائید کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سارے مسلمان ہمارے مخالف ہوگئے اورایک گاؤں کے احمدی تین ماہ تک جنگلوں میں بھاگے پھرے۔ جب وہ شکایت لے کر آئے تو میں نے کہا کہ ہم کشمیریوں کا اس لئے ساتھ دیتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ مظلوم ہیں اور ان کی اعانت کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ پس ان کی مظلومیت کی وجہ سے ہم ان کے ساتھ ہیں لیکن اگر وہ جھوٹی گواہی دلوانا چاہتے ہیں تو تم ہرگز نہ دو۔ اور جو سچی بات ہے وہ بیان کردو کیونکہ ہمارا کام

سچائی کو پھیلانا ہے۔

پس ہمارا کام ہے کہ سچائی کیلئے کھڑے ہوجائیں اور اگر سچائی کیلئے ہمیں قربانیاں بھی کرنی پڑیں تو ان سے دریغ نہ کریں۔ کیا چیز ہے جو دشمن ہم سے لے سکتا ہے۔ وہ ہم سے مال لے لے گا لیکن اگر ہم نے سچے دل سے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے تو یہ مال کیا چیز ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک دین ہے جب تک وہ ہمارے پاس رکھتا ہے' ہم اس کا شکریہ ادا کریں گے۔ اور جب خدا کہے گا کہ اب مال چھوڑ دو تو ہم چھوڑ دیں گے۔ پھر اور کیا چیز دشمن ہم سے لے سکتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ہمیں قتل کر سکتا ہے لیکن اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہم شہید ہوجائیں اور ابدی زندگی پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی تائید میں مارا جاتا ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے' مُردہ نہیں کیونکہ بظاہر یہ خیال آتا ہے کہ' ایک انسان جو بیس سال کی عمر میں مارا گیا اگر وہ چالیس سال اور زندہ رہتا اور اسے نیکیوں کا موقع ملتا تو وہ بہت بڑا روحانی درجہ حاصل کرلیتا۔ اور جو مقام اُسے بیس سال کی عمر میں حاصل تھا اُس سے بہت بلند مقام کا وارث ہوکر دنیا سے اُٹھتا۔ اس وسوسہ کو دُور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص شہید ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مارا گیا' اُس کی نیکیاں جاری رہتی ہیں اور ہمیشہ اس کا درجہ بلند ہوتا رہتا ہے۔

پس وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اسے مُردہ کہنا ہی غلط ہے۔ غرض اگر ہماری جان بھی دشمن لے لیتا ہے تو یہ کون سی بڑی بات ہے۔ بلکہ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ ہمارا مولیٰ جو دُور تھا موت کے بعد ہمارے قریب ہوگیا۔ یا اگر ہمارے عزیز اور رشتہ دار دین کے راستہ میں مارے جاتے ہیں تو یہ سب چیزیں بھی خدا ہی کی ہیں' ہمارا ان پر کیا حق ہے۔ دیکھ لو رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بچے بھی دیئے۔ اور پھر اس نے اُٹھا بھی لئے۔ ایک دفعہ آپؐ قبرستان کے قریب سے گزر رہے تھے کہ ایک بڑھیا اپنے بچے کی قبر پر رو رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اے عورت! صبر کر۔ وہ کہنے لگی اگر تیرا بچہ مرتا تو تجھے پتہ لگتا کہ کتنا درد ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے بی بی! میرے گیارہ بچے مرچکے ہیں۔ اتنا کہہ کر آپؐ وہاں سے چلے آئے۔ بعد میں کسی نے اسے بتایا کہ بدبخت یہ تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ وہ یہ سنتے ہی دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی یارسول اللہ! میں نے صبر کیا۔ آپؐ نے فرمایا صبر تو وہ ہے جو شروع میں کیا جائے ورنہ رودھو

کر تو سب کو صبر آجاتا ہے۔ غرض مصائب کا وقت ہی ہوتا ہے جب صبر کا موقع ہوتا ہے۔ اور اسی موقع پر صبر کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل نازل فرمایا کرتا ہے پس ان باتوں کی پرواہ نہ کرو اور دشمن جو کچھ کہتا یا کرتا ہے' اسے کہنے اور کرنے دو۔ صبر اور حلم سے ان تمام باتوں کو برداشت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا اس ذریعہ سے امتحان لینا چاہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے۔

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

یہی مومن کی نشانی ہوتی ہے۔ اس خیال کو جانے دو کہ گورنمنٹ سے امداد کی اپیل کی جائے بعض نے مجھے بھی کہا ہے کہ "زمیندار" کے متعلق گورنمنٹ کو توجہ دلائی جائے۔ مگر میں نے کہا یہ فضول بات ہے۔ گورنمنٹ ہماری مخالفت سے کس کس کو روکے گی۔ آج اس نے فرض کرو پنجاب میں اس مخالفت کو روک بھی لیا تو کل صوبہ سرحد میں ہماری مخالفت شروع ہوجائے' پرسوں یوپی میں شروع ہوجائے' پھر کون ہماری حفاظت کرے گا۔ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ہندوستان میں سے ہماری مخالفت کو دور بھی کردے تو کل اگر چین میں ہماری مخالفت شروع ہوجائے' افغانستان ہمارا دشمن ہوجائے' مصر اور شام میں عداوت کی آگ مشتعل ہوجائے' پھر کس گورنمنٹ سے کہیں گے۔ پس یہ طریق فضول ہے۔ اگر افغانستان کے احمدی گالیاں کھاسکتے بلکہ اپنی جانیں احمدیت کے راستہ میں قربان کرسکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم گالیوں سے گھبراجائیں اور اگر ہم گھبراتے ہیں تو اس کا صاف طور پر یہ مطلب ہے کہ ہم بُزدل ہیں۔

انگریزی حکومت اگر خود اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے کوئی قدم اُٹھاتی ہے تو یہ اس کا اپنا کام ہے۔ اگر وہ سمجھتی ہے کہ احمدی ظالم ہیں تو وہ خود دخل دے اور اگر سمجھتی ہے کہ غیراحمدی ظلم کررہے ہیں تو وہ آپ دخل دے۔ اس طرح اگر وہ دخل دے گی تو ہم سمجھیں گے کہ یہ خدائی فعل ہے۔ اور اگر وہ دخل نہیں دیتی تب بھی ہم یہی سمجھتے ہیں کہ یہ خدائی فعل ہے۔ پس گالیوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور اگر گالیاں سن کر تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو قرآن مجید نے اس کا علاج بھی بتادیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جہاں گالیاں دی جارہی ہوں وہاں سے اُٹھ کر چلے آنا چاہیئے۔ اس اصل کے مطابق جس اخبار میں تمہیں گالیاں دی جاتی

ہیں، اگر تم ان کی برداشت نہیں کرسکتے تو اُسے نہ پڑھو- مگر یہ کیا کہ آپ ہی ایسا اخبار خریدو اور جب اُسے پڑھو تو غصے میں آجاؤ- اُس کے نزدیک تو دین کی خدمت ہی یہی ہے کہ وہ تمہیں گالیاں دیتا رہے- اور جب وہ اسے خدمتِ دین سمجھتا ہے تو اس کا حق ہے کہ گالیاں دے- غرض اُس کا کام ہے کہ وہ پتھر مارے اور تمہارا کام ہے کہ تم پتھر کھاؤ- اُس کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک نبی کا منکر ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی کے ماننے والے ہیں- پس جو نبی کے منکروں کا کام ہے وہ منکر کرے اور جو نبی کے ماننے والوں کا نمونہ ہوتا ہے، ضروری ہے کہ ہم دکھائیں- نبی کے منکروں کا کیا کام ہوتا ہے؟ یہی کہ وہ گالیاں دیتے ہیں، مارتے اور پیٹتے ہیں- پس اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اپنی حیثیت کے مطابق کرتے ہیں اور اگر تم انہیں گالیوں سے باز رکھنا چاہتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم چاہتے ہو نبی کے منکر وہ کام کریں جو نبی کے ماننے والے کیا کرتے ہیں- حالانکہ ایسا نہیں ہوسکتا- پس اگر وہ نبی کے منکر ہیں اور یقیناً منکر ہیں تو ان کا کام ہے کہ وہ نبی کے منکروں کا طریقِ عمل اختیار کریں-

اگر تم کسی ایک نبی کے منکر کی مثال ہی میرے سامنے پیش کردو کہ وہ بڑا شریف، بڑا نیک اور بڑا پارسا تھا، تو میں مان لوں گا کہ ان منکروں کو بھی شریف بن کر رہنا چاہیئے- اور تب آپ لوگوں کا حق ہے کہ ان سے شرافت اور انسانیت کے نام پر اپیل کریں- لیکن اگر سارے نبیوں کے مخالفوں کا ہمیں یہی دستور دکھائی دیتا ہو کہ وہ گالیاں دیتے آئے، انبیاء کے ماننے والوں کو ستاتے اور دُکھ دیتے آئے، انہیں مارتے اور پیٹتے رہے، ان پر پتھر برساتے رہے، اور بالمقابل ہمیں یہ نظر آتا ہو کہ نبی کے ماننے والوں نے ہمیشہ گالیاں کھائیں، تکالیف برداشت کیں، دُکھ سہے، رنج و غم برداشت کیئے تو پھر اب بھی ہمارا کام ہے کہ ہم گالیاں کھائیں اور ان کا کام ہے کہ وہ گالیاں دیں- غالب اخلاق کے لحاظ سے تو کہا جاتا ہے اچھا نہیں تھا لیکن اس کے بعض شعر سچائی سے پُر ہیں کہتا ہے ؎

وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سُبک سر ہوکے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

جب انہوں نے اپنی ایک خُو بنائی ہے اور جب وہ اپنی خُو نہ چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تو ہم اپنی وضع کیوں بدلیں- اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خداتعالیٰ کی طرف سے تھے اور یقیناً تھے تو پھر آپ کے منکروں کو یقینی طور پر وہی نمونہ دکھانا چاہیئے تھا جو ہمیشہ سے انبیاء کے

منکرین دکھاتے چلے آئے ہیں۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ ابراہیمؑ کے منکروں کی طرح ہمارے لئے آگ جلائیں اور اُس میں ڈال دیں۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ موسیٰؑ کے منکروں کی طرح ہمارے بلوٹھوں کا ہلاک کردیں۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ عیسیٰؑ کے منکروں کی طرح ہمیں صلیب پر لٹکائیں۔ پھر اُن کا فرض ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کے منکروں کی طرح ہمیں اپنے وطن سے بے وطن کردیں۔ ہمیں موت کے گھاٹ اُتارنے کی کوشش کریں۔ اور ہر رنگ میں تکلیف اور اذیت پہنچاکر خیال کریں کہ وہ نیکی کا کام کررہے ہیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ہر ایک مخالف کا حق ہوگا کہ ہم سے پوچھے اگر مرزا صاحب نبی تھے تو کیا ان کے منکروں نے وہ کام بھی کئے جو دوسرے انبیاء کے منکر کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا تم اُس وقت یہ جواب دو گے کہ ہم نے انہیں نصیحت کرکے روک رکھا تھا۔ اور اگر یہی جواب دو گے تو کون اسے تسلیم کرے گا۔ پس جو اُن کا کام ہے وہ اُنہیں کرنے دو اور جتنا شور وہ مچانا چاہتے ہیں' انہیں مچانے دو۔ اور یاد رکھو کہ وہ جتنی زیادہ ہماری مخالفت کرتے ہیں' قرآن مجید کی اس آیت کی اتنی ہی زیادہ صداقت ظاہر کرتے ہیں کہ يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُ وْنَ۸؎ لوگوں کی حالت پر افسوس ہے کہ جب بھی ان کے پاس ہمارا کوئی رسول آیا انہوں نے اس سے ہنسی اور مذاق کیا۔ پس وہ جس قدر ہم پر ہنسی اُڑاتے ہیں' جتنی زیادہ ہماری مخالفت کرتے ہیں' اُسی قدر وہ ہماری تائید اور صداقت میں ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ اور عقلمند کیلئے یہی مخالفت بعض دفعہ ماننے کا موجب ہوجاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ کا ہی واقعہ ہے۔ جب آپ نے مختلف بادشاہوں کو تبلیغی چِٹھیاں لکھیں تو اُس وقت ہرقل نے کہا کہ عرب کا کوئی آدمی بُلواؤ جس سے میں اس نبی کے حالات دریافت کروں۔ ابوسفیان حاضر ہوا تو اُس نے پوچھا اِس کی قوم اسے مانتی ہے یا نہیں؟ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ نہ صرف مانتی نہیں بلکہ مخالفت کرتی ہے۔ ہرقل نے کہا یہی انبیاء کے مخالفین کیا کرتے ہیں۹؎ ۔ اُس وقت ہرقل نے یہ نہیں کہا کہ چلو جب خود اُس کی قوم اسے نہیں مانتی تو میں کیوں مانوں۔ بلکہ اس نے کہا کہ اگر قوم نہیں مانتی تو یہ اُس کی صداقت کا ثبوت ہے کیونکہ ہر نبی کی قوم میں اُس کی مخالف ہوا کرتی ہے۔

پھر علاوہ اِس کے ان گالیوں کا ایک اور فائدہ بھی ہے جس سال مَیں خلیفہ ہوا اُسی سال میں نے اپنی جماعت کے علماء کو جمع کیا تھا اور میں نے انہیں کہا کہ ہم سب سے ایک

سخت کوتاہی ہوئی ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ اِس کوتاہی کی ہمیں کیا سزا ملے گی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ میں نے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف مخالفوں کی طرف سے نہایت ہی گندہ لٹریچر شائع کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی شائع ہوتا رہتا ہے مگر ہمارے پاس وہ لٹریچر محفوظ نہیں۔ اگر کل اعتراض کیا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں بعض سخت الفاظ لکھے ہیں اور ہمارے پاس مخالفوں کی گالیاں نہ ہوئیں تو ہم کس منہ سے جواب دے سکیں گے کہ یہ گالیاں نہیں بلکہ مشفقانہ زجر ہے اور میں نے صیغہ تالیف و تصنیف کی بنیاد ہی اس امر پر رکھی تھی اور میں نے اس کا فرض مقرر کیا تھا کہ وہ کوشش سے ایسا لٹریچر جمع کرے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بُرا بھلا کہا گیا ہو۔ کچھ لٹریچر اُس وقت جمع بھی کیا گیا تھا مگر ابھی سَو میں سے ایک حصہ بھی ہم اکٹھا نہیں کرسکے۔ اس کا نتیجہ دیکھ لو آج مخالف کس دیدہ دلیری سے کہہ رہے ہیں کہ مرزا صاحب گالیاں دیا کرتے تھے۔ ان کے سامنے وہ گالیاں نہیں جو مخالفوں نے دیں۔ وہ سخت الفاظ نہیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا۔ وہ گندی تحریرات موجود نہیں جنہیں ایک شریف انسان سننے کی بھی تاب نہیں رکھ سکتا۔ پس اِس نقص کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشفقانہ زجر اور اظہارِ حقیقت کو گالی قرار دیا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سینکڑوں خطوط ایسے آیا کرتے تھے جن میں گالی گلوچ کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔ بعض خطوط میں نے بھی پڑھے ہیں۔ میں مثال کے طور پر بیان کردیتا ہوں۔ بعض میں لکھا ہوتا تھا کہ میں فلاں تاریخ کو آنے والا ہوں' اپنی بیوی اور بیٹی کو تیار رکھنا۔ میں انہیں ساتھ لے آؤں گا۔ اس قسم کی تحریریں اگر ہمارے پاس موجود ہوتیں تو ہم مخالفوں کے سامنے رکھتے اور بتاتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ اظہارِ حقیقت تھا۔ ایک مخالف بیشک کہہ سکتا ہے کہ یہ اظہارِ حقیقت نہیں مگر کم ازکم وہ اس امر کو تسلیم کریں گے کہ اس قسم کے الفاظ اظہارِ واقعہ کے طور پر کہے جاسکتے ہیں۔ انسان بے دین بھی ہوسکتے ہیں، کج فہم بھی ہوسکتے ہیں' بے حیا بھی ہوسکتے ہیں مگر یہ کہنا کہ اپنی بیوی کو تیار رکھنا میں اسے فلاں تاریخ لینے کیلئے آؤں گا۔ اسے کسی پہلو کے لحاظ سے بھی اظہارِ حقیقت نہیں کہا جاسکتا۔ پس آج گالیاں سن کر بجائے اِس کے کہ تم گورنمنٹ سے یہ کہو کہ وہ انہیں روکے تم یہ سمجھو کہ خدا نے پھر تمہارے لئے گالیوں کے جمع کرنے کا ایک موقع پیدا کردیا ہے۔

ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے وہ مکہ میں مقیّد تھے- گرمی کے دن تھے انہیں سخت پیاس لگی انہوں نے دعا کی کہ الٰہی! ہماری دعوت کر' تکلیف بہت زیادہ ہے- اللہ تعالیٰ نے اِن کی دعا سن لی بارش ہوئی جس کے ساتھ خوب اولے برسے- انہوں نے اولوں کو اکٹھا کیا اور پھر انہیں دوستوں میں تقسیم کردیا- بعضوں نے پوچھا کہ آپ خود کیوں نہیں کھاتے- انہوں نے کہا بس یہی خواہش ہے کہ اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کرلی تمام برف دوستوں میں تقسیم کردوں- تو اِس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے یہ سامان پیدا کئے ہیں- بجائے اس کے کہ ان گالیوں کو بند کروانے کی کوشش کرو تم اس لٹریچر کو جمع کرلو- یہ لٹریچر بذات خود پھر اس بات کا ثبوت ہوگا کہ صداقت کس طرف ہے ایک ایک لفظ' ایک ایک گالی جسے اب تم گورنمنٹ کے پاس لے جانا چاہتے ہو تم اسے خداتعالیٰ کی نعمت سمجھ کر اپنی فائلوں میں محفوظ کرلو- یہی وقت ہے جس کے ضائع ہوجانے کا ہمیں افسوس تھا- خداتعالیٰ نے یہ موقع پیدا کردیا ہے اب اِس سے فائدہ اُٹھاؤ- آج دشمن خوش ہے اور وہ گالیاں دے کر خیال کرتا ہے کہ ہم احمدیت کو مٹادیں گے- لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اگر مولوی ظفرعلی کی اولاد باقی رہی تو آج سے چوتھی پُشت کے سامنے "زمیندار" کے یہ گالیوں سے بھرے ہوئے فائل رکھنے پر وہ اپنے دادا کو گالیاں دینے نہ لگ گئے تو جو جی میں آئے کہنا- یہ گالیاں گالیاں نہیں بلکہ دعائیں ہیں جو تمہیں مل رہی ہیں- حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمایا کرتے تھے- میرے ایک بزرگ تھے انہوں نے ایک کام شروع کیا چند دنوں کے بعد فرمانے لگے- معلوم ہوتا ہے خداتعالیٰ کو یہ کام پسند نہیں آیا- آپ نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ کسی نے اس کام کو بُرا نہیں کہا- پھر کہنے لگے میرا تجربہ ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اُسے عام لوگ ضرور ناپسند کرتے ہیں- چونکہ اب کسی نے کچھ کہا نہیں- اس لئے مجھے فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام ناپسند نہ ہو- چارپانچ دن کے بعد پھر جو ملے تو بڑے خوش تھے- اور فرمانے لگے اللہ تعالیٰ نے وہ کام قبول کرلیا- کیونکہ مجھے ایک لمبا خط اس کے متعلق گالیوں کا ملا ہے- پس تم بھی اپنے نفس کو ٹٹولو- اور اس سے پوچھو اے نفس! کیا تیرے کسی گوشہ میں قرآن کریم کی بے حرمتی ہے- کیا تیرے کسی گوشہ میں محمد ﷺ کی دشمنی ہے' اے نفس! کیا تیرے اندر بنی نوع انسان کی دشمنی ہے- اگر تمہارا نفس ان تمام سوالوں کے جواب میں کہے کہ نہیں نہیں- میں سب کچھ دین کیلئے قربان کرنے کو تیار ہوں- محمد ﷺ سے دشمنی کیسی' آپ کے ادنیٰ اشارے پر جان

دینے کیلئے تیار ہوں اور قرآن سے دشمنی کیا' ایک ایک لفظ پر عمل کرنا جزوِ ایمان قرار دیتا ہوں- اور بنی نوع انسان سے عداوت کیسی- میں تو چوہڑوں اور چماروں کیلئے بھی قربان ہونے کو تیار ہوں- تو پھر یہ سمجھ لو کہ یہ گالیاں آپ کو نہیں مل رہیں بلکہ اسلام کے منکروں کو مل رہی ہیں- اور اگر تمہیں مخاطب کرکے دی جاتی ہیں تو وہ جھوٹ کا پلندہ ہیں جو قیامت کے دن تمہارے لئے شفاعت کا موجب ہوجائے گا- اگر ہم عام طور پر اشاعتِ اسلام میں لگے رہتے ہیں' اگر ہم عام طور پر قرآن کریم کے احکام پر عمل کرتے رہیں تو بھی جو کمزوریاں ہمارے اندر رہیں گی ان کی شفاعت کیلئے خداتعالیٰ کے سامنے "زمیندار" کے پرچے آجائیں گے اور خدا کہے گا کہ جاؤ ان گالیوں کے بدلے میں نے اپنے بندوں کو معاف کردیا-

پس تم اپنے دل کی کیفیت کو بدل ڈالوں اور جیسا کہ میں نے ایک پچھلے خطبہ میں کہا تھا مومن اللہ تعالیٰ کا عاشق ہوتا ہے- اپنے اندر عشق پیدا کرو- رسول کریم ﷺ کی مثال دیکھ لو' جب آپ طائف میں تبلیغ اسلام کیلئے گئے تو دشمنوں نے آپ پر پتھر برسائے- آپ اس تکلیف کی وجہ سے لہولہان ہوگئے اور جب آپ آرہے تھے تو آپ کو الہام ہوا کہ اے محمدؐ! (ﷺ.) اگر تُو چاہے تو ابھی ان پر عذاب نازل کرکے ان کا تختہ اُلٹ دوں- آپ نے فرمایا نہیں- انہوں نے جو کچھ کیا ناواقفی کی وجہ سے کیا[1] - کون کہہ سکتا ہے کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ سے زیادہ تبلیغ کرنے والے ہیں- اگر رسول کریم ﷺ کی قوم تبلیغ کے باوجود جاہل کہلاسکتی تھی تو ہماری قوم تبلیغ کرنے کے باوجود کیوں جاہل نہیں کہلاسکتی- جتنا جتنا کوئی شخص گند ظاہر کرتا ہے اُتنا ہی زیادہ وہ اپنے آپ کو قابلِ رحم ثابت کرتا ہے- اگر کوئی شخص زیادہ بیمار ہوجائے تو کیا تم اس کا سر پھوڑ دیا کرتے ہو- یا زیادہ لائق ڈاکٹر سے اس کا علاج کراتے ہو- پس اِس وقت وہ جتنی زیادہ مخالفت کرتے ہیں تمہارا فرض ہے کہ تم اُتنے ہی جوش سے ان کیلئے دعائیں کرو- اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری سے کام لو اور اپنے حلقۂ تبلیغ کو اور زیادہ وسیع کردو- جس وقت تمہیں یہ چیزیں حاصل ہوجائیں گی' تمہاری کامیابی یقینی ہوگی- خطرات اور گالیاں ہمیشہ آرام کی حالت میں تکلیف دیتی ہیں اور اگر انسان دیوانہ وار تبلیغ کرتا رہے تو یہ گالیاں اُسے بُری معلوم نہیں ہوتیں- ریڈروں میں ہی ہم قصہ پڑھا کرتے تھے کہ کسی عورت کا بچہ عُقاب لے گیا اور پہاڑ کی چوٹی پر جابیٹھا وہ چوٹی اتنی بلند تھی اور ایسی طرز پر واقعہ تھی کہ کوئی انسان اس پر چڑھ نہیں سکتا تھا- مگر جب ماں نے دیکھا کہ اس کا بچہ

عُقاب کے قبضہ میں ہے تو وہ دیوانگی کی حالت میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئی اور اپنے بچے کو گود میں لے لیا- جب بچہ اُس نے اُٹھالیا' اُس کی عقل قائم ہوئی اور جوش جاتا رہا- تو اُس نے شور مچانا شروع کردیا کہ مجھے کسی طرح اُتارا جائے- آخر لوگوں نے بڑی مشکلوں سے اسے نیچے اُتارا-

پس یاد رکھو جب عشق پیدا ہوجاتا ہے تو تکالیف نظر نہیں آتیں- میں تو جب بھی یہ گالیاں پڑھتا ہوں' میرے دل میں گالیاں دینے والے کے خلاف کچھ بھی احساس پیدا نہیں ہوتا- تب میں اپنے نفس سے سوال کرتا ہوں کہ کیا تیرے اندر غیرت کی کمی ہے؟ اور میرا نفس مجھے یہ جواب دیتا ہے کہ میرے اندر غیرت کی کمی نہیں بلکہ محبت کی زیادتی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں ان پر رحم کروں- دیکھو اللہ تعالیٰ اس مخالفت کے ذریعہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ دنیا میں گند موجود ہے- اگر یہ مخالفت نہ ہوتی تو لوگ تسلی اور اطمینان کی حالت میں بیٹھ جاتے اور خیال کرتے کہ اب دنیا سے گند مٹ گیا- لیکن خداتعالیٰ نے اس ذریعہ سے بتادیا ہے کہ مرض موجود ہے اس کے علاج کی فکر کرو- پس یہ مخالفت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے- اور شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے موت سے پہلے تمہیں بیدار کردیا- اگر تم اسی حالت میں مرجاتے تو خدا کو کیا جواب دے سکتے- خداتعالیٰ نے اب تمہیں بتادیا ہے کہ شیطان مرا نہیں- پس اُسے مارنے کیلئے تیار ہوجاؤ- ہمارے دشمن لوگ نہیں بلکہ شیطان ہے- یہ تو جتنی زیادہ گالیاں دیتے ہیں اُتنا ہی زیادہ ہمیں اِن پر رحم آتا ہے- یہ طریق ہے جو ایک سچے مومن کو اختیار کرنا چاہیئے- اور اسی کو اختیار کرکے کامیابی اور برکت حاصل ہوسکتی ہے- یہ مت خیال کرو کہ دنیا تمہاری مخالف ہوگئی ہے- یہی گالیاں ہیں جو کھاد کا کام دیں گی- اور انہیں گالیوں کی وجہ سے انہیں کے بھائی بندوں میں سے لوگ ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے- مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک بڑے ادیب جو محاوراتِ اردو کی کتاب بھی چالیس جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور جس کا کچھ حصہ نواب صاحب رامپور نے شائع بھی کرایا تھا' قادیان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنے آئے- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کو سلسلہ کی تبلیغ کس نے کی؟ انہوں نے کہا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے- بچپن کی وجہ سے مجھے اِس جواب پر بڑی حیرت ہوئی- اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پوچھا کہ کس طرح؟ تو انہوں

نے بتایا کہ میں نے جب مولوی محمد حسین صاحب کی تحریریں پڑھیں تو مجھے اِن میں اِس قدر غصہ اور دیوانگی نظر آئی کہ جب تک حقیقی خطرہ سامنے نہ ہو اُس وقت تک وہ غصہ اور دیوانگی پیدا نہیں ہوسکتی۔

پس میں نے اُس وقت سمجھا کہ ضرور حضرت مرزا صاحب میں صداقت ہے۔ تب میں نے درثمین وغیرہ پڑھی۔ اور مجھے معلوم ہوگیا کہ دشمن جو کچھ کہتے ہیں' غلط ہے۔ میں حضور کی بیعت کیلئے قادیان آیا۔ تو اللہ تعالیٰ اِس ذریعہ سے بھی شریف الطبع لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ ایک قوم جو اسلام کی خدمت کررہی ہے آخر کیا وجہ ہے کہ اسے اس قدر گندی گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور جب وہ سوچتے ہیں تو انہیں ہدایت مل جاتی ہے۔ ابھی دیکھ لو' خواجہ حسن نظامی صاحب اور اخبار "حقیقت لکھنؤ" وغیرہ نے اعلان کردیا ہے کہ ہم ان گالیوں سے بیزار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف لوگوں کے دلوں پر یہ اثر ہورہا ہے کہ احمدیوں پر بِلاوجہ ظلم کیا جارہا ہے۔ پس یہ نیک اثر ہے اور اس اثر کو بڑھنے دو۔ باقی ایک ہی ڈر ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ دشمن ہمیں کہیں مار نہ ڈالیں۔ مگر ایک ساعت کیلئے بلکہ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ کیلئے بھی جس شخص کے دل میں یہ خیال آتا ہے اس کے اندر ایمان کی ایک رائی کا کروڑواں حصہ بھی داخل نہیں ہوا۔ میں تو یقین رکھتا ہوں کہ یہ دشمن کیا اگر انگریز اور جرمن اور چین اور جاپان اور روس اور اٹلی وغیرہ تمام حکومتیں بھی مل جائیں تب بھی وہ ہمیں تباہ نہیں کرسکتیں اور اگر تباہ کردیں تو یقیناً ہمارا سلسلہ جھوٹا ہے۔ بنی نوع انسان تمام کے تمام مل جائیں' امراء' غرباء' علماء و ادباء' بڑے اور چھوٹے' عالم اور جاہل' مرد اور عورتیں اجتماعی حیثیت میں بھی ہمارے سلسلہ کو مٹادیں۔ تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہوگا اور یہ بات یقینی ہوگی کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹا اور ہم بھی اپنے دعویٰ میں کاذب ہیں۔ مشرق اور مغرب کے لوگ' شمال اور جنوب کے باشندے بھی اگر مل جائیں تو وہ ایک تنکا کے برابر بھی ہمیں اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر نہیں کرسکتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا سلسلہ ہے اور وہ خود اس کا محافظ اور نگران ہے۔ تمہارا کام ہے کہ تم محبت اور پیار سے لوگوں کو سمجھاؤ۔ اور اگر کوئی مخالفت میں بڑھتا چلا جاتا ہے تو تم اُس کیلئے دعاؤں میں بڑھتے چلے جاؤ۔ کیونکہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اُس کے اندر ہو۔ اگر وہ گالیاں دیتے ہیں تو دیں کیونکہ ان کے پاس گالیوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ مگر تمہارا فرض ہے کہ تم نرمی اور محبت کا ثبوت پیش کرو

کیونکہ تمہارے پاس یہی چیز ہے جس سے کامیابی ہوگی۔ وہ اگر گالیاں بھی دیں تو جیسے شہد کے چھتے پر اگر کوئی شخص پتھر مارے تو اُس سے شہد ہی ٹپکے گا۔ اسی طرح تمہارا فرض ہے کہ تم گالیوں کے جواب میں دعائیں دو۔

یہ مت خیال کرو کہ نرمی سے کیا بنتا ہے۔ دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ نرمی کا اثر ہوتا ہے اور آخر سخت دل بھی جُھکنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ پس تم ثابت کردو کہ تمہارے اندر نیکی اور تقویٰ ہے۔ اگر مخالف پتھر مارتے ہیں تو تم دعائیں دو۔ گالیاں دیتے ہیں تو انہیں برداشت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرو کہ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ اور یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو گے تو اس کی نصرت اور تائید ایسے رنگ میں ظاہر ہوگی کہ انسانی تدابیر اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گی۔ باقی حکومت ہر جگہ ساتھ نہیں دے سکتی وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں ہمارے ساتھ نہیں ہوسکتی۔ چین' جاپان' افغانستان' مصر اور شام وغیرہ میں اِس حکومت کی تائید ہمارا کچھ نہیں بناسکتی۔ پس ساری دنیا میں پھیلنے کا عزم رکھنے والی قوم کو کسی ایک جگہ کے آدمیوں کی دوستی پر انحصار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ایسی ہستی سے دوستی پیدا کرنی چاہیئے جو ہر جگہ موجود ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہے۔

(الفضل ۲۳- مارچ ۱۹۳۳ء)

۱؎ بخاری کتاب الجهاد باب يقاتل من وراء الامام ويتقى به

۲؎ ترمذی ابواب الزهد باب فى الصبر على البلاء .

۳؎ العنکبوت: ۳'۴ ۴؎ الرَّعد: ۱۸

۵؎ انوار الاسلام صفحہ ۲۳'۲۴ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۲۳'۲۴

۶؎ الفاتحة: ۵

۷؎ بخاری کتاب الاحکام باب ماذكران النبى لم يكن له بوّاب' بخاری كتاب الجنائز باب زيارة القبور

۸؎ یٰسٓ: ۳۱

۹؎ بخاری باب كيف كان بدء الوحى الٰى رسول اللهﷺ

۱۰؎ مسلم كتاب الجهاد والسير باب مالقى النبىؐ من أذىٰ المشركين والمنافقين